PG. Sem – III
CC-7

"اردو مرثیہ"

مرثیہ عربی لفظ "رثاء" سے بنا ہے جس کے معنی رونے اور اظہار غم کرنے کے ہیں۔ اس طرح مرثیہ اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی اچھائیوں کو بیان کر کے درد و غم کا اظہار کیا جائے۔ بقول مولانا حالی "زندوں کی تعریف کو قصیدہ کہتے ہیں اور مردوں کی تعریف جس میں تاسف اور افسوس بھی شامل ہوتا ہے مرثیہ کہتے ہیں۔ لیکن اردو شاعری میں لفظ مرثیہ کا اطلاق صرف شہدائے کربلا کی تعریف اور بیان و واقعات شہادت کے لیے ہوتا ہے۔ کربلا انسان کی تاریخ کا ایسا المیہ ہے جو ہر دور میں کروڑوں کو غم اور دلوں کو تڑپاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں شعرا اس موضوع پر قلم اٹھاتے رہے ہیں۔

اردو شعرا نے بیشتر اصناف سخن میں فارسی شعرا کے گہرے اثرات قبول کئے مگر اردو مرثیے کی روایت اس سلسلے میں قدرے مختلف ہے۔ اس کی بنیادیں اپنی دھرتی میں ہیں۔ اور اس کی روایت خود اپنے ملک کی سماجی و مذہبی روایات کے پس منظر میں پروان چڑھی ہیں۔ اردو مرثیہ بہت جلد ارتقاء کے منازل طے کرتا ہوا اس مقام تک پہنچ گیا جو عربی و فارسی مرثیوں کو بھی نصیب نہ ہو سکا۔ اردو میں دیگر اصناف شاعری کی طرح مرثیے کی ابتدا بھی دکن سے ہوئی۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہوں نے اس کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ شروع کے مرثیہ گو شاعروں میں اشرف بیابانی، محمد قلی قطب شاہ اور ملا وجہی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

شمالی ہند میں مرثیہ کی ابتدا اسماعیل امروہوی سے ہوئی جنہوں نے مثنوی کی شکل میں "وفات نامہ بی بی فاطمہ" کے عنوان سے ایک مرثیہ لکھا۔ اسماعیل کے بعد آبرو، یک رنگ، حاتم، مسکین اور غمگین کے مرثیے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ فضلی کی کربل کتھا بھی فارسی دور میں لکھی گئی۔ یہ ایک نثری کتاب ہے لیکن اس میں فضلی کے کئی مرثیے بھی شامل ہیں۔ مرثیے کو ادبی حیثیت عطا کرنے میں سودا کا نام سرفہرست ہے۔ سودا نے مرثیہ کو فنی و ادبی اقدار سے روشناس کروایا۔ سودا نے فن اور فکر دونوں اعتبار سے اردو مرثیہ کا مقام بلند کیا۔ سودا نے سب سے پہلا مسدس کے ذریعہ مرثیہ کی فنی وسعت کو بڑھایا۔ سودا کے علاوہ میر نے بھی اپنے مرثیوں کو ادبی عظمت بخشی۔ میر و سودا کی روایت کو آگے بڑھانے اور مرثیے کو ادبی عظمت و وقار بخشنے والوں میں دلگیر، ضمیر، خلیق اور فصیح کے نام خصوصیت کے ساتھ لئے جا سکتے ہیں۔

میر انیس مرثیے کی عظیم روایت کی سب سے اہم کڑی ہیں۔ دہلی اور لکھنؤ کے دبستان شاعری کے صحت مند عناصر کا حسین امتزاج ان کی شاعری میں ملتا ہے۔ ان کے دادا میر حسن اور والد میر خلیق اردو زبان کے عظیم شاعر تھے۔

Scanned with CamScanner

انیس کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ انہوں نے اس ورثہ کی صرف حفاظت ہی نہیں کی بلکہ اس میں چار چاند لگا دیا۔ ان کی عظمت ان کے مرثیوں کی وجہ سے ہے۔ بقول امداد امام اثر:۔

"اگر میر انیس صاحب کو شعرائے اردو کے
زمرے سے نکال کر الگ کر لیجئے تو اردو کی شاعری
فارسی کی شاعری سے بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔"

میر انیس نے فکر و فن دونوں ہی اعتبار سے مرثیے میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔ واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری وغیرہ کے اعتبار سے ان کے مرثیے اپنی مثال آپ ہیں۔ بقول مسعود حسن رضوی:۔

"حقیقت یہ ہے کہ معنوی حیثیت سے یا تاثرات کے
اعتبار سے شاعری کی جتنی بھی قسمیں ہو سکتی ہیں۔
انیس کے مرثیے ان سب پر حاوی ہیں۔"

مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری کی خوبیاں اگرچہ میر انیس کی اعلیٰ کمال کے سامنے دھندلی نظر آتی ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ ایک عظیم مرثیہ نگار تھے۔ محمد حسین آزاد مرثیہ نگاری کے میدان میں دبیر کی فتوحات تذکرہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:۔

"مرزا دبیر نے مرثیہ کو بلاغت کی لیا اور
اس درجہ تک پہنچا دیا جس کے آگے ترقی کا
راستہ بند ہو گیا۔"

اس طرح میر انیس اور مرزا دبیر کی کوشش سے مرثیہ ارتقا کی تمام منازل طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گیا جو اس کے عروج کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ ان دونوں کے بعد مرثیہ کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ جوش ملیح آبادی، جمیل مظہری، نسیم امروہوی اور شاد عظیم آبادی نے انیس و دبیر کی اس روایت کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

اس طرح نئے زمانے کے ابھرتے ہوئے تقاضوں ~~[illegible]~~ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور اپنی شناخت قائم رکھنے کی غرض سے مرثیہ نے جدید اثرات قبول کئے اور قدیم و جدید تصورات کے امتزاج سے مرثیہ کو ایک نئی شکل نصیب ہوئی۔

Scanned with CamScanner